مجموعہ

راجندر سنگھ بیدی

افسانے ○ ناول ○ ڈرامے ○ مضامین

تحقیق متن و تدوین

صلاح الدین محمود

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

1994

لاجونتی

"ہتھ لایاں کملان نی لاجونتی دے بوٹے"
(چھوئی موئی کے بوٹے ہاتھ لگانے سے کملا جاتے ہیں)

پنجابی گیت

بٹوارہ ہوا اور بے شمار زخمی لوگوں نے اٹھ کر اپنے بدن پر سے خون پونچھ ڈالا اور پھر سب مل کر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے جن کے بدن صحیح و سالم تھے لیکن دل زخمی تھے۔

گلی گلی، محلے محلے میں "پھر بساؤ" کمیٹیاں بن گئی تھیں اور شروع شروع میں بڑی تندہی کے ساتھ "کاروبار میں بساؤ" "زمین پہ بساؤ" اور "گھروں میں بساؤ" پروگرام شروع کر دیا تھا۔ لیکن ایک پروگرام ایسا تھا جس کی طرف کسی نے توجہ نہ کی تھی: وہ پروگرام مغویہ عورتوں کے سلسلے میں تھا جس کا سلوگن تھا: "دل میں بساؤ" اور اس پروگرام کی نارائن باوا کے مندر اور اس کے آس پاس بسنے والے قدامت پسند طبقے کی طرف سے بڑی مخالفت ہوتی تھی۔

اس پروگرام کو حرکت میں لانے کے لئے مندر کے پاس محلہ ملا شکور میں ایک کمیٹی قائم ہو گئی اور گیارہ ووٹوں کی اکثریت سے سندر لال بابو کو اس کا سیکرٹری چن لیا گیا، وکیل صاحب صدر۔ چوکی کلاں کے بوڑھے محرر اور محلے کے دوسرے معتبر لوگوں کا خیال تھا سندر لال سے زیادہ جانفشانی سے اس کام کو کوئی اور نہ کر سکے گا، شاید اس لئے کہ سندر لال کی اپنی بیوی اغوا ہو چکی تھی اور اس کا نام تھا بھی لاجو ---- لاجونتی۔

چنانچہ پربھات پھیری نکالتے ہوئے جب سندر لال بابو، اس کا ساتھی رسالو اور نیکی

رام وغیرہ مل کر گاتے: "ہتھ لایاں کملان نی لاجونتی دے بوٹے" تو سندر لال کی آواز ایک دم بند ہو جاتی اور وہ خاموشی کے ساتھ چلتے چلتے لاجونتی کی بابت سوچتا: جانے وہ کہاں ہو گی؟ کس حال میں ہو گی؟ ہماری بابت کیا سوچ رہی ہو گی؟ وہ کبھی آئے گی بھی یا نہیں؟ اور پتھریلے فرش پر چلتے چلتے اس کے قدم لڑکھڑانے لگتے۔

اور اب تو یہاں تک نوبت آگئی تھی کہ اس نے لاجونتی کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس کا غم اب دنیا کا غم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے دکھ سے بچنے کے لئے لوک سیوا میں اپنے آپ کو غرق کر دیا تھا۔ اس کے باوجود دوسرے ساتھیوں کی آواز میں آواز ملاتے ہوئے اسے یہ خیال ضرور آتا: انسانی دل کتنا نازک ہوتا ہے۔ ذرا سی بات پر اسے ٹھیس پہنچ سکتی ہے۔ وہ لاجونتی کے پودے کی طرح ہے جس کی طرف ہاتھ بھی بڑھاؤ تو مرجھا جاتا ہے۔ لیکن اس نے اپنی لاجونتی کے ساتھ بدسلوکی کرنے میں کوئی بھی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ وہ اسے جگہ جگہ اٹھنے بیٹھنے' کھانے کی طرف سے بے توجہی برتنے اور ایسی ہی اور معمولی معمولی باتوں پر پیٹ دیا کرتا تھا۔

اور لاجو ایک پتلی چھمک سی دیہاتی لڑکی تھی۔ زیادہ دھوپ دیکھنے کی وجہ سے اس کا رنگ سنولا چکا تھا لیکن طبیعت میں ایک عجیب طرح کی بے قراری تھی۔ اس کا اضطرار شبنم کے اس قطرے کی طرح تھا جو پارہ ہو کر کسی بڑے سے پتے پر کبھی ادھر اور کبھی ادھر لڑھکتا رہتا ہے۔ اس کا دبلا پن اس کی صحت خراب ہونے کی دلیل نہ تھی' الٹا وہ ایک صحت مندی کی نشانی تھی جسے دیکھ کر بھاری بھرکم سندر لال پہلے تو گھبرایا لیکن جب اس نے دیکھا کہ لاجو ہر قسم کا بوجھ' ہر قسم کا صدمہ حتیٰ کہ مارپیٹ تک سہ گزرتی ہے تو وہ اپنی بدسلوکی کو بتدریج بڑھاتا گیا اور اس نے ان حدوں کا خیال ہی نہ کیا جہاں پہنچ جانے کے بعد کسی بھی انسان کا صبر ٹوٹ سکتا ہے۔ اور ان حدوں کو دھندلا دینے میں لاجونتی بھی مدد ثابت ہوئی تھی۔ چونکہ دیر تک سوگوار نہ بیٹھ سکتی تھی اس لئے بڑی سے بڑی لڑائی کے بعد سندر لال کے صرف ایک بار مسکرا دینے پر وہ اپنی ہنسی نہ روک سکتی اور صرف اتنا کہتی: "اب کے مارو گے تو میں تم سے کبھی نہیں بولوں گی۔"

اور صاف پتا چلتا تھا وہ ایک دم ساری مار پیٹ کو بھول چکی ہے۔ گاؤں کی دوسری لڑکیوں کی طرح وہ بھی جانتی تھی کہ شوہر لوگ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں' بلکہ عورتوں میں

سے کوئی بھی تھوڑی سرکشی کرتی تو یہ لڑکیاں خود ہی ناک پر انگلی رکھ کے کہتیں: "لے' وہ بھی کوئی مرد ہے بھلا؟ دو ہاتھ کی عورت قابو میں نہیں آتی!" اور یہ مارپیٹ ان کے گیتوں تک میں چلی گئی تھی۔ خود لاجو گایا کرتی تھی: "میں شہر کے لڑکے سے شادی نہ کروں گی۔ وہ بوٹ پہنتا ہے اور میری کمر پتلی ہے۔" لیکن پہلی ہی فرصت میں لاجو نے شہر ہی کے ایک چھوکرے سے لو لگا لی اور اس کا نام تھا سندر لال' جو ایک برات کے ساتھ لاجونتی کے گاؤں چلا آیا تھا اور جس نے دولہا کے کان میں صرف اتنا سا کہا تھا: "تیری سالی تو بڑی نمکین ہے یار' بیوی بھی چٹ پٹی ہو گی۔" اور لاجونتی نے اس بات کو سن لیا تھا اور وہ یہ بھول ہی گئی کہ سندر لال نے کتنے بڑے بڑے اور بھدے بوٹ پہنے ہوئے ہیں اور اس کی اپنی کمر کتنی پتلی ہے!

اور پربھات پھیری کے سمے ایسی ہی باتیں سندر لال کو یاد آتیں اور وہ یہی سوچتا: ایک بار --- صرف ایک بار --- لاجو مل جائے تو میں اسے سچ مچ ہی دل میں بسا لوں اور لوگوں کو بتا دوں ان بے چاری عورتوں کے اغوا ہو جانے میں ان کا کوئی قصور نہیں' فسادیوں کی ہوس ناکیوں کا شکار ہو جانے میں ان کی کوئی غلطی نہیں' اور وہ سماج جو ان معصوم اور بے قصور عورتوں کو قبول نہیں کرتا' انہیں اپنا نہیں لیتا' ایک گلا سڑا سماج ہے اور اسے ختم کر دینا چاہئے۔ وہ ان عورتوں کو گھر میں آباد کرنے کی تلقین کیا کرتا اور انہیں ایسا مرتبہ دینے کی درخواست کیا کرتا جو گھر میں کسی بھی عورت' کسی بھی ماں' بیٹی' بہن یا بیوی کو دیا جاتا ہے۔ اور کہتا انہیں اشارے اور کنائے سے بھی ایسی باتوں کی یاد نہیں دلانی چاہیے جو ان کے ساتھ ہوئیں کیونکہ ان کے دل زخمی ہیں' وہ نازک ہیں' چھوئی موئی کی طرح --- ہاتھ بھی لگاؤ گے تو مرجھا جائیں گی۔

گویا "دل میں بساؤ" پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے محلہ ملا شکور کی اس کمیٹی نے کئی پربھات پھیریاں نکالیں۔ صبح چار پانچ بجے کا وقت ان کے لئے موزوں ترین وقت ہوتا تھا۔ نہ لوگوں کا شور' نہ ٹریفک کی الجھن رات بھر چوکیداری کرنے والے کتے تک بجھے ہوئے تنوروں میں مردہ گرے پڑے ہوتے تھے۔ اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوئے لوگ جاگ کے صرف اتنا سا کہتے تھے: "او! وہی منڈلی ہے۔" کبھی صبر اور کبھی تنک مزاجی سے وہ بابو سندر لال کا پروپیگنڈا سنا کرتے۔ وہ عورتیں جو بڑی حفاظت سے اس پار پہنچ گئی تھیں'

گوبھی کے پھولوں کی طرح پھیلی پڑی رہتیں اور ان کے خاوند ان کے پہلو میں ڈنٹھلوں کی طرح اکڑے پڑے پربھات پھیری کے شور پر احتجاج کرتے ہوئے منہ میں کچھ منمناتے چلے جاتے' یا کہیں کوئی بچہ تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں کھولتا اور "دل میں بساؤ" کے فریادی اور اندوہ گیں پروپیگنڈے کو صرف ایک گانا سمجھ کے پھر سو جاتا۔

لیکن صبح کے سمے کان میں پڑا ہوا شبد بے کار نہیں جاتا' وہ سارا دن ایک تکرار کے ساتھ دماغ میں چکر لگاتا رہتا ہے اور بعض اوقات تو انسان اس کے معنی کو بھی نہیں سمجھتا پر گنگناتا چلا جاتا ہے۔ اور اسی آواز کے گھر کر جانے کی بدولت ہی تھا کہ انہی دنوں مس مردولا سارا بائی ہند اور پاکستان کے درمیان اغوا شدہ عورتیں تبادلے میں لائیں تو محلہ ملاشکور کے کچھ آدمی انہیں پھر سے بسانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ان کے وارث شہر سے باہر چوکی کلاں پر انہیں ملنے کے لئے گئے۔ مغویہ عورتیں اور ان کے لواحقین کچھ دیر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر سر جھکائے اپنے برباد گھروں کو پھر سے آباد کرنے کے کام پر چل دیے۔ رسالو اور نیکی رام اور سندر لال بابو کبھی "مہندر سنگھ زندہ باد" اور کبھی "سوہن لال زندہ باد" کے نعرے لگاتے ---- اور وہ نعرے لگاتے رہے حتیٰ کہ ان کے گلے سوکھ گئے۔

لیکن مغوبہ عورتوں میں ایسی بھی تھیں جن کے شوہروں' جن کے ماں باپ' بہن اور بھائیوں نے انہیں پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔ آخر وہ مر کیوں نہ گئیں؟ اپنی عفت اور عصمت کو بچانے کے لئے انہوں نے زہر کیوں نہ کھا لیا؟ کنویں میں چھلانگ کیوں نہ لگا دی؟ وہ بزدل تھیں جو اس طرح زندگی سے چمٹی ہوئی تھیں۔ سینکڑوں ہزاروں عورتوں نے اپنی عصمت لٹ جانے سے پہلے اپنی جان لے لی۔ لیکن انہیں کیا پتا کہ وہ زندہ رہ کر کس بہادری سے کام لے رہی ہیں اور کس طرح پتھرائی ہوئی نگاہوں سے وہ موت کو گھور رہی ہیں' اس دنیا میں جہاں ان کے شوہر تک انہیں نہیں پہچانتے۔ پھر ان میں سے کوئی جی ہی جی میں اپنا نام دہراتی ہے: سہاگ ونتی۔ سہاگ والی! اور اپنے بھائی کو اس جم غفیر میں دیکھ کر آخری بار اتنا ہی کہتی: "تو بھی مجھے نہیں پہچانتا بھاری! میں نے تجھے گودی میں کھلایا تھا رے" اور بھاری چل دینا چاہتا ہے۔ پھر وہ ماں باپ کی طرف دیکھتا ہے اور ماں باپ اپنے جگر پر ہاتھ رکھ کر نارائن بابا کی طرف دیکھتے ہیں اور نہایت بے بسی کے عالم میں نارائن بابا

آسمان کی طرف دیکھتا ہے جو دراصل کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور جو صرف ہماری نظر کا دھوکا ہے' جو صرف ایک حد ہے جس کے پار ہماری نگاہیں کام نہیں کرتیں۔ البتہ ہم سائنس اور ایک سائنسی نظر اور ایک دور بین کی مدد سے ان حدوں کو جتنا جی چاہے وسیع کر سکتے ہیں۔

لیکن فوجی ٹرک میں مس سارا بائی تبادلے میں جو عورتیں لائیں ان میں لاجو نہ تھی۔

سندر لال نے امید و بیم سے آخری لڑکی کو ٹرک سے نیچے اترتے دیکھا اور پھر اس نے بڑی خاموشی اور بڑے عزم سے اپنی کمیٹی کی سرگرمیوں کو دو چند کر دیا۔ اب وہ صرف صبح کے سمے ہی پربھات پھیری کے لئے نہ نکلتے تھے بلکہ شام کو بھی وہ جلوس نکالنے لگے اور کبھی کبھی ایک چھوٹا موٹا جلسہ کرنے لگے' جس میں اس کمیٹی کا بوڑھا صدر' وکیل کالکا پرشاد صوفی' کھنکاروں سے ملی جلی ایک تقریر کر دیا کرتا اور رسالو پیکدان لیے ڈیوٹی پر ہمیشہ موجود رہتا۔ لاؤڈ اسپیکر سے عجیب طرح کی آوازیں آتیں! کھا بابا --- کھا کھا ------ اور پھر نیکی رام' محرر چوکی' کچھ کہنے کے لئے اٹھتے۔ لیکن وہ جتنی بھی باتیں کہتے اور جتنے بھی شاستروں اور پرانوں کا حوالہ دیتے' اتنا ہی اپنے اور اپنے مقصد کے خلاف باتیں کرتے اور یوں میدان ہاتھ سے جاتے دیکھ کر سندر لال بابو اٹھتا لیکن وہ دو فقروں کے علاوہ کچھ بھی نہ کہہ پاتا۔ اس کا گلا رندھ جاتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہنے لگتے اور وہ روہانسا ہونے کے کارن تقریر نہ کر پاتا اور بیٹھ جاتا۔ مجمعے پر ایک خاص قسم کی خاموشی چھا جاتی اور سندر لال بابو کی ان دو باتوں کا اثر' جو کہ اس کے دل کی گہرائیوں سے چلی آتی تھیں' وکیل کالکا پرشاد صوفی کی ساری ناصحانہ فصاحت پر بھاری ہوتا۔ لیکن لوگ وہیں رو دیتے اور اپنے جذبات کو آسودہ کر لیتے اور پھر خالی الذہن گھر لوٹ جاتے۔

ایک روز کمیٹی والے سانجھ سمے ہی پرچار کرنے چلے آئے اور ہوتے ہواتے قدامت پسندوں کے گڑھ میں پہنچ گئے۔ مندر کے باہر پیپل کے ایک پیڑ کے ارد گرد سیمنٹ کے تھڑے پر کئی شردھالو بیٹھے تھے اور رامائن کی کتھا ہو رہی تھی اور نارائن باوا رامائن کا وہ حصہ سنا رہے تھے جہاں ایک دھوبی نے اپنی دھوبن کو گھر سے نکال دیا تھا اور اس سے کہہ دیا تھا: "میں راجہ رام چندر نہیں جو اتنے سال راون کے ساتھ رہ آنے پر بھی سیتا کو بسا لے گا۔" اور رام چندر جی نے مہاستونتی سیتا کو گھر سے نکال دیا تھا اور ایسی حالت میں جب کہ وہ گربھ وتی تھی۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر رام راج کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے؟

نارائن باوا نے کہا "یہ ہے رام راج! جس میں ایک دھوبی کی بات کو بھی اتنی ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

کمیٹی کا جلوس مندر کے پاس رک چکا تھا اور لوگ رامائن کی کتھا اور شلوک کا ورنن سننے کے لئے ٹھیر گئے تھے۔ سندر لال نے آخری فقرے سنے اور کہا:

"ہم راجیہ نہیں چاہتے بابا!"

"چپ رہو جی۔" "تم کون ہوتے ہو؟" "خاموش!" مجمعے سے آوازیں آئیں اور سندرلال نے بڑھ کر کہا: "مجھے بولنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

ملی جلی آوازیں آئیں: "خاموش" "ہم نہیں بولنے دیں گے۔" اور ایک کونے میں سے یہ آواز بھی آئی: "مار دیں گے۔"

نارائن بابا نے بڑی میٹھی آواز میں کہا: "ہم شاستروں کی مان مریادا کو نہیں سمجھتے سندرلال!"

سندر لال نے کہا: "میں ایک بات تو سمجھتا ہوں باوا کہ رام راج میں دھوبی کی آواز سنی جاتی ہے لیکن رام راج کے چاہنے والے سندر لال کی آواز نہیں سنتے۔"

انہی لوگوں نے جو ابھی مارنے پر تلے بیٹھے تھے' اپنے نیچے سے پیپل کی گولریں ہٹا دیں اور پھر سے بیٹھتے ہوئے بول اٹھے: "سنو' سنو' سنو۔"

رسالو اور نیکی رام نے سندر لال بابو کو ٹھوکا دیا اور سندر لال بولے: "شری رام نیتا تھے ہمارے' پر یہ کیا بات ہے باوا جی! انہوں نے دھوبی کی بات کو ستیہ سمجھ لیا پر اپنی بڑی مہارانی کے ستیہ پر وہ وشواش نہ کر پائے؟"

نارائن باوا نے اپنی داڑھی کی کھچڑی پکاتے ہوئے کہا: "سیتا ان کی اپنی پتنی تھی سندرلال! تم اس بات کی مہانتا کو نہیں جانتے۔"

"ہاں بابا!" سندر لال بابو نے کہا' "اس سنسار میں بہت سی باتیں ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ پر میں سچا رام راج اسے سمجھتا ہوں جس میں انسان اپنے آپ پر بھی ظلم نہیں کر سکتا۔ اپنے آپ سے بے انصافی کرنا اتنا ہی بڑا پاپ ہے جتنا کسی دوسرے سے بے انصافی کرنا' اور آج بھی بھگوان رام نے سیتا کو گھر سے نکال دیا ہے اس لئے کہ وہ راون کے پاس رہ آئی تھی۔ اس میں کیا قصور تھا سیتا کا؟ کیا وہ بھی ہماری بہت سی ماؤں بہنوں کی

طرح ایک چھل اور ایک کپٹ کی شکار نہ تھی؟ اس میں سیتا کے ستیہ اور ا ستیہ کی بات ہے یا راکشش راون کے وحشی پن کی بات ہے؟ جس کے دس سر انسان کے ہیں لیکن ایک اور سب سے بڑا سر گدھے کا ہے۔

"آج ہماری سیتا نردوش گھر سے نکال دی گئی ہے۔ سیتا --- لاجونتی!" اور سندر لال بابو نے رونا شروع کر دیا۔ رسالو اور نیکی رام نے وہ تمام سرخ جھنڈے اٹھا لیے جن پر آج ہی سکول کے چھوکروں نے بڑی صفائی سے نعرے کاٹ کے چپکا دیے تھے اور پھر وہ سب "سندر لال بابو زندہ باد" کے نعرے لگاتے ہوئے چل دیے۔ جلوس میں سے ایک نے کہا: "مہاستی سیتا زندہ باد"۔ ایک طرف سے آواز آئی: "شری رام چندر....."

اور پھر بہت سی آوازیں آئیں۔ "خاموش!" اور نارائن باوا کی مہینوں کی کتھا اکارت چلی گئی۔ بہت سے لوگ جلوس میں شامل ہو گئے جس کے آگے آگے وکیل کالکا پرشاد اور حکم سنگھ محرر چوکی کلاں جا رہے تھے --- اپنی بوڑھی چھڑوں کو پٹ پٹ زمین پر مارتے اور ایک فاتحانہ سی آواز پیدا کرتے ہوئے۔ اور ان کے درمیان کہیں سندر لال جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو بہہ رہے تھے۔ آج اس کے دل کو بڑی ٹھیس لگی تھی اور لوگ بڑے جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے مل کر گا رہے تھے:

"ہتھ لایاں کملان نی لاجونتی دے بوٹے۔"

ابھی گیت کی آواز لوگوں کے کانوں میں گونج رہی تھی' صبح بھی نہیں ہو پائی تھی اور محلہ ملا شکور کے مکان ۴۱۴ کی بدھوا ابھی تک اپنے بستر میں کربناک سی انگڑائیاں لے رہی تھی کہ سندر لال کا "گرائیں" لال چند' جسے اپنا اثرو رسوخ استعمال کر کے سندر لال اور خلیفہ کالکا پرشاد نے راشن ڈپو لے دیا تھا' دوڑا دوڑا آیا اور اپنی گاڑھے کی چادر سے ہاتھ پھیلائے ہوئے بولا:

"بدھائی ہو سندر لال!"

سندر لال نے میٹھا گڑ چلم میں رکھتے ہوئے کہا: "کس بات کی بدھائی لال چند؟"

"میں نے لاجو بھابی کو دیکھا ہے۔"

سندر لال کے ہاتھ سے چلم گر گئی اور میٹھا تمباکو فرش پر گر گیا: "کہاں دیکھا ہے"؟ اس نے لال چند کو کندھوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا اور جلد جواب نہ پانے پر جھنجھوڑ دیا۔

"واگھے کی سرحد پر۔"

سندر لال نے لال چند کو چھوڑ دیا اور اتنا سا بولا: "کوئی اور ہو گی۔"

لال چند نے یقین دلاتے ہوئے کہا: "نہیں بھیا' وہ لاجو ہی تھی' لاجو!"

"تم اسے پہچانتے بھی ہو؟" سندر لال نے پھر سے میٹھے تمباکو کو فرش پر سے اٹھاتے اور ہتھیلی پر مسلتے ہوئے پوچھا اور ایسا کرتے ہوئے اس نے رسالو کی چلم حقے پر سے اٹھائی اور بولا' "بھلا کیا پہچان ہے اس کی؟"

"ایک تیندولہ ٹھوڑی پر ہے' دوسرا گال پر۔"

"ہاں ہاں ہاں!" اور سندر لال نے خود ہی کہہ دیا' "تیسرا ماتھے پر۔" وہ نہیں چاہتا تھا اب کوئی خدشہ رہ جائے اور ایک دم اسے لاجونتی کے جانے پہچانے جسم کے سارے تیندولے یاد آگئے جو اس نے بچپنے میں اپنے جسم پر بنوا لئے تھے' جو ان ہلکے ہلکے سبز دانوں کی مانند تھے جو چھوئی موئی کے پودے کے بدن پر ہوتے ہیں اور جن کی طرف اشارہ کرتے ہی وہ پودا مرجھانے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح ان تیندولوں کی طرف انگلی کرتے ہی لاجونتی شرما جاتی تھی ---- اور گم ہو جاتی تھی' اپنے آپ میں سمٹ جاتی تھی' گویا اس کے سب راز کسی کو معلوم ہو گئے ہوں اور کسی نا معلوم خزانے کے لٹ جانے سے وہ مفلس ہو گئی ہو --- اور --- سندر لال کا سارا جسم ایک ان جانے خوف' ایک ان جانی ہمت اور اس کی مقدس آگ سے بھنکنے لگا۔ اس نے پھر سے لال چند کو پکڑ لیا اور پوچھا:

"لاجو واگھے کیسے پہنچ گئی؟"

لال چند نے کہا: "ہند اور پاکستان میں عورتوں کا تبادلہ ہو رہا تھا نا؟"

"پھر کیا ہوا؟" سندر لال نے اکڑوں بیٹھتے ہوئے کہا "کیا ہوا پھر؟"

رسالو بھی اپنی چارپائی پر اٹھ بیٹھا اور تمباکو نوشوں کی مخصوص کھانسی کھانستے ہوئے بولا: "سچ مچ؟ آگئی ہے لجونتی بھابی؟"

لال چند نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: "واگھے پر سولہ عورتیں پاکستان نے دے دیں اور اس کے عوض سولہ عورتیں لے لیں۔ لیکن ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ ہمارے والنٹیر اعتراض کر رہے تھے کہ تم نے جو عورتیں دی ہیں ان میں ادھیڑ' بوڑھی اور بے کار عورتیں زیادہ ہیں۔ اس تنازعے پر لوگ جمع ہو گئے۔ اس وقت ادھر کے والنٹیروں نے لاجو

بھابی کو دکھاتے ہوئے کہا: تم اسے بوڑھی کہتے ہو؟ دیکھو دیکھو' جتنی لڑکیاں تم نے دی ہیں ان میں سے ایک بھی برابری کرتی ہے اس کی؟" اور وہاں لاجو بھابی سب کی نظروں کے سامنے اپنے تیندولے چھپا رہی تھی۔

"پھر جھگڑا بڑھ گیا۔ دونوں نے اپنا اپنا "مال" واپس لے لینے کی ٹھان لی۔ میں نے شور مچایا: "لاجو --- لاجو بھابی!" مگر شور مچانے پر ہماری فوج کے سپاہیوں نے ہمیں ہی مار مار کر بھگا دیا۔"

اور لال چند اپنی کہنی دکھانے لگا جہاں اسے لاٹھی پڑی تھی۔ رسالو اور نیکی رام چپ چاپ بیٹھے رہے اور سندر لال کہیں دور دیکھنے لگا' شاید سوچنے لگا: لاجو آئی بھی پر نہ آئی۔ اور سندر لال کی صورت سے جان پڑتا تھا جیسے وہ بیکانیر کا صحرا چھان کر آیا ہے اور اب کہیں درخت کی چھاؤں میں زبان باہر لٹکائے ہانپ رہا ہے۔ منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا: "پانی دے دو۔" اسے یوں محسوس ہوا بٹوارے سے پہلے اور بٹوارے کے بعد کا تشدد ابھی تک کارفرما ہے' صرف اس کی شکل بدل گئی ہے۔ اب لوگوں میں پہلا سا دریغ بھی نہیں رہا۔ کسی سے پوچھو: سانبھر والا میں لہنا سنگھ رہا کرتا تھا اور اس کی بھابی بنتو' تو وہ جھٹ سے کہتا: مر گئے۔ اور اس کے بعد موت اور اس کے مفہوم سے بالکل بے خبر' بالکل عاری آگے چلا جاتا۔ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر بڑے ٹھنڈے دل سے تاجر انسان مال' انسانی گوشت پوست کی تجارت اور اس کا تبادلہ کرنے لگے۔ جیسے منڈیوں میں مویشی خریدنے والے کسی بھینس یا گائے کا جبڑا ہٹا کر دانتوں سے اس کی عمر کا اندازہ کرتے ہیں اسی طرح وہ جوان عورت کے روپ' اس کے نکھار' اس کے عزیز ترین رازوں' اس کے تیندولوں کی شارع عام میں نمائش کرنے لگے' اور یہ تشدد اب تاجروں کی نس نس میں بس چکا تھا۔ پہلے منڈی میں مال بکتا تھا اور بھاؤ تاؤ کرنے والے ہاتھ ملا کر اس پر ایک رومال ڈال لیتے۔ اور یوں "گپتی" کر لیتے' گویا رومال کے نیچے انگلیوں کے اشاروں سے سودا ہو جاتا تھا۔ اب گپتی کا رومال بھی ہٹ چکا تھا اور سامنے سودے ہو رہے تھے اور لوگ تجارت کے آداب بھی بھول گئے تھے۔ یہ سارا لین دین' یہ سارا کاروبار "بوکاشیو" کی ایک داستان معلوم ہو رہا تھا۔ ایک ایسا بیان جس میں عورتوں کی آزادانہ خرید و فروخت کا قصہ بیان کیا جاتا ہے اور ازبیک ان گنت عریاں عورتوں کے سامنے کھڑا ان کے جسموں کو ٹوہ ٹوہ کے

دیکھ رہا ہے۔ اور جب وہ کسی عورت کے جسم کو ہاتھ لگاتا ہے تو اس پر ایک گلابی سا گڑھا پڑ جاتا ہے اور اس کے ارد گرد ایک زرد سا حلقہ اور پھر زردیاں اور سرخیاں ایک دوسرے کی جگہ لینے کے لئے دوڑتی ہیں۔ ازبیک آگے گزر جاتا ہے اور ناقابل قبول عورت ایک اعتراف شکست' ایک انفعالیت کے عالم میں ایک ہاتھ سے ازار بند تھامے اور دوسرے سے اپنے چہرے کو عوام کی نظروں سے چھپائے سسکیاں لیتی ہے۔ کچھ اور آگے چل کر عورت کو انفعالیت کا احساس بھی نہیں رہتا۔ وہ اسی طرح عریاں اسکندریہ کے بازاروں میں سے گزرتی ہے اور تریفرا کی صورت اختیار کر کے اپنی سہیلی سیسو سے کہتی ہے: "دیکھو سیسو! یہ کون ظالم مسخرا ہے جس نے سامنے کی دیوار پر لکھ دیا ہے:

"بیتس ---- تھریسائٹس کے لئے --- دواویلی میں۔"

اور پھر وہ کہتی ہے: "دواویلی میں ؟" اور سیسو کہتی ہے : "مردوں کو یوں ہمارا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بیتس کی جگہ میں ہوتی تو ضرور پوچھ گچھ کرتی۔"

اور سیسو دو ہی قدم آگے بڑھتی ہے کہ اسے دیوار پر لکھا ہوا ملتا ہے : "مدوس کی سیسو ---- ٹائن کے لئے --- ایک منا۔"

تھوڑی دیر کے لئے سیسو کا رنگ زرد ہوتا ہے اور پھر وہ اس تحریر کے نیچے کھڑی ہو جاتی ہے اور انتظار کرتی ہے جب کہ باقی عورتیں اسے رشک اور حسد سے دیکھتے ہوئے گزرنے لگتی ہیں۔

سندر لال امرتسر (سرحد) جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ اسے لاجو کے آنے کی خبر ملی۔ ایک دم ایسی خبر مل جانے سے سندر لال گھبرا گیا۔ اس کا ایک قدم فوراً دروازے کی طرف بڑھا لیکن وہ پیچھے لوٹ آیا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ روٹھ جائے اور کمیٹی کے تمام پلے کارڈوں اور جھنڈیوں کو بچھا کر بیٹھ جائے اور پھر روئے' لیکن وہاں جذبات کا یوں مظاہرہ ممکن نہ تھا۔ اس نے مردانہ وار اس اندرونی کشاکش کا مقابلہ کیا اور اپنے قدموں کو ماپتے ہوئے چوکی کلاں کی طرف چل دیا کیوں کہ یہی جگہ تھی جہاں مغویہ عورتوں کی ڈلیوری دی جاتی تھی۔

اب لاجو سامنے کھڑی تھی اور ایک خوف کے جذبے سے کانپ رہی تھی۔ وہی سندر لال کو جانتی تھی' اس کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ وہ پہلے ہی اس کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا

اور اب جب کہ وہ ایک غیر مرد کے ساتھ زندگی کے دن بتا کر آئی تھی' نہ جانے کیا کرے گا۔ سندر لال نے لاجو کی طرف دیکھا۔ وہ خالص اسلامی طرز کا کالا دوپٹہ اوڑھے تھی اور بائیں بکل مارے ہوئے تھی۔ عادتاً' محض عادتاً دوسری عورتوں میں گھل مل جانے اور بالآخر اپنے صیاد کے دام سے بھاگ جانے کی آسانی تھی۔ اور وہ سندر لال کے بارے میں اتنا زیادہ سوچ رہ تھی اور ڈر رہی تھی کہ اسے کپڑے بدلنے یا دوپٹہ ٹھیک سے اوڑھنے کا بھی خیال نہ رہا۔ وہ ہندو اور مسلمان کی تہذیب کے بنیادی فرق ---- دائیں بکل اور بائیں بکل --- میں امتیاز کرنے سے قاصر رہی تھی۔ اب وہ سندر لال کے سامنے کھڑی تھی اور کانپ رہی تھی ----- ایک امید اور ایک ڈر کے جذبے کے ساتھ۔

سندر لال کو دھچکا سا لگا۔ اس نے دیکھا لاجونتی کا رنگ پہلے سے کچھ نکھر گیا تھا اور وہ پہلے کی بہ نسبت کچھ تندرست سی نظر آتی تھی۔ نہیں' وہ موٹی ہو گئی تھی۔ سندر لال نے جو کچھ لاجو کے بارے میں سوچ رکھا تھا وہ سب غلط تھا۔ وہ سمجھتا تھا غم میں گھل جانے کے بعد لاجونتی بالکل مریل ہو چکی ہو گی اور آواز اس کے منہ سے نکالے نہ نکلتی ہو گی۔ اس خیال سے کہ وہ پاکستان میں بڑی خوش رہی ہے' اسے صدمہ سا ہوا' لیکن وہ چپ رہا کیونکہ اس نے چپ رہنے کی قسم کھا رکھی تھی' اگرچہ وہ نہ جان پایا کہ اتنی خوش تھی تو وہ چلی کیوں آئی؟ اس نے سوچا شاید ہند سرکار کے دباؤ کی وجہ سے اسے اپنی مرضی کے خلاف یہاں آنا پڑا ہے۔ لیکن ایک چیز وہ نہ سمجھ سکا کہ لاجونتی کا سنولایا ہوا چہرہ زردی لئے ہوئے تھا' اور غم' محض غم سے اس کے بدن پر گوشت نے ہڈیوں کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ غم کی کثرت سے موٹی ہو گئی تھی اور صحت مند نظر آتی تھی' لیکن یہ ایسا موٹاپا تھا جس میں دو قدم چلنے پر آدمی کا سانس پھول جاتا ہے۔

مغویہ کے چہرے پر پہلی نگاہ ڈالنے کا تاثر کچھ عجیب سا ہوا لیکن اس نے سب خیالات کا ایک اثباتی مردانگی سے مقابلہ کیا۔ اور بھی بہت سے لوگ موجود تھے' کسی نے کہا: "ہم نہیں لیتے مسلمان (مسلمان) کی جھوٹی عورت۔"

اور یہ آواز رسالو' نیکی رام اور چوکی کلاں کے بوڑھے محرر کے نعروں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ان سب آوازوں سے الگ کالکا پرشاد کی پھٹتی اور چلاتی ہوئی آواز آرہی تھی۔ وہ کھانس بھی لیتا تھا اور بولتا بھی جاتا۔ وہ اس نئی حقیقت اس نئی شدھی کا شدت سے قائل

ہو چکا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا آج اس نے کوئی' کوئی نیا پران اور شاستر پڑھ لیا ہے اور اپنے اس حصول میں دوسروں کو بھی حصے دار بنانا چاہتا ہے۔ ان سب لوگوں اور ان کی آوازوں میں گھری ہوئی لاجو اور سندر لال اپنے ڈیرے کو جا رہے تھے اور ایسا جان پڑتا تھا جیسے ہزاروں سال پہلے کے رام چندر اور سیتا کسی بہت لمبے اخلاقی بن باس کے بعد ایودھیا میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور ایک طرف تو لوگ خوشی کے اظہار میں دیپ مالا کر رہے ہیں اور دوسری طرف انہیں اتنی لمبی اذیت دینے پر تاسف کا اظہار بھی۔

لاجونتی کے چلے آنے پر بھی سندر لال بابو نے اسی شدو مد سے "دل میں بساؤ" پروگرام کو جاری رکھا۔ اس نے قول اور فعل دونوں اعتبار سے اسے نبھا دیا تھا۔ اور وہ لوگ جنہیں سندر لال کی باتوں میں خالی خولی جذباتیت نظر آتی تھی' قائل ہونا شروع ہوئے۔ اکثر لوگوں کے دل میں خوشی تھی اور بیشتر کے دل میں افسوس۔ مکان ۴۱۴ کی بیوہ کے علاوہ محلہ شکور کی بہت سی عورتیں سندر لال بابو سوشل ورکر کے گھر آنے سے گھبراتی تھیں۔

لیکن سندر لال کو کسی کے اعتنا یا بے اعتنائی کی پروا نہ تھی۔ اس کے دل کی رانی آچکی تھی اور اس کے دل کا خلا پٹ چکا تھا۔ سندر لال نے لاجو کی سورن مورتی کو اپنے دل کے مندر میں استھاپت کر دیا تھا اور خود دروازے پر بیٹھا اس کی حفاظت کرنے لگا تھا۔ لاجو' جو پہلے خوف سے سہمی رہتی تھی' سندر لال کے غیر متوقع نرم سلوک کو دیکھ کر آہستہ آہستہ کھلنے لگی۔

سندر لال لاجونتی کو اب لاجو کے نام سے نہیں پکارتا تھا۔ وہ اسے کہتا تھا: "دیوی!" اور لاجو ایک ان جانی خوشی سے پاگل ہوئی جاتی تھی۔ وہ کتنا چاہتی تھی کہ سندر لال کو اپنی واردات کہہ سنائے اور سناتے سناتے اس قدر روئے کہ اس کے سب "گناہ" دھل جائیں' لیکن سندر لال لاجو کی وہ باتیں سننے سے گریز کرتا تھا اور لاجو اپنے کھل جانے میں بھی ایک طرح سے سہمی رہتی تھی۔ اور جب سندر لال سو جاتا تو صرف اسے دیکھا کرتی اور اپنی چوری میں پکڑی جاتی۔ اور جب سندر لال اس کی وجہ پوچھتا تو وہ "نہیں" "یونہیں" "اونہوں" کے سوا اور کچھ نہ کہتی۔ اور سارے دن کا تھکا ہارا سندر لال پھر اونگھ جاتا۔ البتہ شروع شروع میں ایک دفعہ سندر لال نے لاجونتی کے "سیاہ دنوں" کے بارے میں

صرف اتنا سا پوچھا تھا:

"کون تھا وہ؟"

لاجونتی نے نگاہیں نیچی کرتے ہوئے کہا: "جماں۔" پھر وہ اپنی نگاہیں سندر لال کے چہرے پر جمائے کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن سندر لال عجیب سی نظروں سے لاجونتی کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ لاجونتی نے پھر آنکھیں نیچی کر لیں اور سندر لال نے پوچھ لیا:

"اچھا سلوک کرتا تھا وہ؟"

"ہاں۔"

"مارتا تو نہیں تھا؟"

لاجونتی نے اپنا سر سندر لال کی چھاتی پر سرکاتے ہوئے کہا: "نہیں تو۔" اور پھر بولی' "اس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ اگرچہ وہ مارتا نہیں تھا پر مجھے اس سے زیادہ ڈر آتا تھا۔ تم مجھے مارتے بھی تھے' پھر بھی میں تم سے ڈرتی نہیں تھی۔ اب تو نہ مارو گے؟" سندر لال کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس نے بڑی ندامت اور بڑے تاسف سے کہا: "نہیں دیوی! اب نہیں ماروں گا' نہیں ماروں گا۔"

"دیوی!" لاجونتی نے سوچا اور وہ بھی آنسو بہانے لگی۔ اور اس کے بعد لاجونتی سب کچھ کہہ دینا چاہتی تھی لیکن سندر لال نے کہا: "جانے دو بیتی باتیں۔ اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟ اس میں قصور ہے ہمارے سماج کا جو تجھ ایسی دیویوں کو اپنے ہاں عزت اور احترام کی جگہ نہیں دیتا۔ وہ تمہاری ہانی نہیں کرتا' اپنی کرتا ہے۔"

اور لاجونتی کی من ہی من میں رہی۔ وہ کہہ نہ سکی ساری بات اور چپکی دبکی پڑی رہی اور اپنے بدن کی طرف دیکھتی رہی جو بٹوارے کے بعد اب دیوی کا بدن ہو چکا تھا' لاجونتی کا نہ تھا۔ وہ خوش تھی' بہت خوش' لیکن ایک ایسی عجیب خوشی میں سرشار جس میں ایک شک تھا اور ایک وسوسہ اور وہ لیٹی لیٹی اچانک بیٹھ جاتی جیسے انتہائی خوشی کے لمحوں میں کوئی آہٹ پا کر ایکا ایکی اس آہٹ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اور آخر جب بہت سے دن بیت گئے تو خوشی کی جگہ شک نے لے لی۔ اس لئے نہیں کہ سندر لال بابو نے پھر وہی پرانی بدسلوکی شروع کر دی تھی بلکہ اس لئے کہ وہ لاجو سے

بہت ہی اچھا سلوک کرنے لگا تھا۔ ایسا سلوک جس کی لاجو متوقع نہ تھی۔ وہ سندر لال کی وہی پرانی لاجو ہو جانا چاہتی تھی جو گاجر سے لڑ پڑتی اور مولی سے مان جاتی۔ لیکن اب لڑائی کا سوال ہی نہ تھا۔ سندر لال نے اسے یہ محسوس کرا دیا جیسے وہ ---- لاجونتی --- کانچ کی کوئی چیز ہے جو چھوتے ہی ٹوٹ جائے گی۔ اور لاجو شیشے میں اپنے سراپا کی طرف دیکھتی اور آخر اس نتیجے پر پہنچتی کہ وہ اور تو سب کچھ ہو سکتی ہے پر لاجو نہیں ہو سکتی۔ وہ بس گئی' پر اجڑ گئی۔ سندر لال کے پاس اس کے آنسو دیکھنے کے لئے آنکھیں تھیں اور نہ آہیں سننے کے لئے کان۔ محلّہ ملا شکور کا سب سے بڑا سدھارک خود بھی نہ جان سکا کہ انسانی دل کتنا نازک ہوتا ہے۔ پربھات پھیریاں نکلتی رہیں اور وہ رسالو اور نیکی رام کے ساتھ مل کر ایک میکانکی آواز میں گاتا رہا:

"ہتھ لایاں کملان نی لاجونتی دے بوٹے"